مکی دورِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تہذیبی اثرات کا تجزیاتی مطالعہ

Dr. Sajjad Ahmed

Assistant professor Institute of Islamic Studies Mirpur university of science and technology MUST Mirpur AJK.

Ghulam Mustafa

phd scholar at Department of Fiqh and sharia islamia University of bahawalpur.

Abstract

In order to mobilize and transfer his feelings and values, man first settled those places where the climate is moderate. Thus, man adopted a social form in a moderate place for his civilization and culture. Protection from natural disasters and the foundation of society was necessary for human nature. The position of a human being in society is that of a responsible person. The region of Makkah has always been a spiritual, religious and business center. During His period, the position of the Prophet Muhammad (peace be upon him) in Makkah was that of a distributer who benefited the people religiously and worldly. Jahili culture pushed human life into narrow and dark paths. Religion had been erased from the human mind and thought. On the arrival of Hazrat Muhammad ﷺ, this region was completely changed. Human thoughts changed. Civilization was pushed in a new and straight direction. Makkah remained the center of civilizations. The Prophet ﷺ brought a revolution by changing the self-made laws and rules of the people according to the requirements of the situation. With this change, the correct teachings maintained their place. However, the myths and the material against the interests of humanity were completely erased. Human civilization and culture were embellished with these changes, modifications, additions and refinements.

مکہ مکرمہ جو کہ عرب کا خشکی پر آباد خطہ ہے، اس کے تینوں جوانب سمندر بہتا ہے۔ جغرافیائی لحاظ سے تاریخی مقام ہونے کے ساتھ ساتھ فکری و نظریاتی طور پر بھی نمایاں حیثیت کا حامل ہے۔ زمانہ قدیم سے لوگ سمندر اور آب و ہوا والے مقامات میں رہایش زندگی گزارتے تھے۔ چونکہ یہاں زندگی قدرے بہتر گزرتی تھی لیکن سیلاب اور سمندری طوفان کی وجہ سے مستقل رہایش کی قابل جگہ نہ تھی۔ اس لیے لوگوں نے بہتر زندگی گزارنے لیے سوچ بچار شروع کی۔ مکہ مکرمہ انبیا کرام کی سرزمین بھی رہی ہے۔ وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ لوگ ان کے تعلیمات سے منحرف ہوتے گیے۔ بہت کم لوگ ان کا ساتھ دیتے آ رہے تھے۔ آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جائے پیدایش بھی مکہ ہے۔ انہوں بہتر گزارنے کے لیے تہذیبی روئے اپنائے۔ اس تناظر میں انہوں نے تین اہم اقدامات اٹھائے۔ ان میں پہلے نمبر پر ما قبل شرائع کے بعض احکامات کو بعینہٖ بحال رکھا۔ دوسرے نمبر پر بعض روایات میں ترمیم کی تو تیسرے نمبر پر بعض تہذیبی امور کو یکسر ختم کر دیا۔

دنیا میں آج یہ تصوّر موجود ہے کہ اسلامی ثقافت اس دور میں نہیں چل سکتی اور اسلام کو فرسودہ اور غیر مہذب کہہ کر عیسائیت کو ترجیح دی جاتی ہے۔اسلام پر اس حد تک الزام لگایا جاتا ہے کہ مکہ کے اندر مسلمانوں نے عیسائیوں سے ثقافت سیکھی،اسلام نے ادب اور لٹریچر عرب سے،ریاضی روم سے،فقہ اور قانون یہودیت سے اور فلسفہ یونان سے لیا،یعنی اسلام کا کوئی تہذیبی اور ثقافتی کردار نہیں ہے۔اسی کو جواز بنا کر آج بھی ہمیں ثقافتی لحاظ سے کمتر سمجھا جاتا ہے۔حالانکہ ان کا یہ دعویٰ انصاف سے عاری اور لاعلمیت پر مبنی ہے۔ جنہوں نے مکی معاشرے کو اپنی قد و قامت سے کم تر بیان کیا ہوا ہے۔یہ ان کی ایک خامی ہے۔جہاں تہذیبوں کا تصادم اور ثقافتی جنگ چھڑ چکی ہو۔مکی دور کی ثقافت کا موجودہ دور سے تطبیق کرنا لازم ہو جاتا ہے۔

سیرت،تاریخ اور ادب کی وسیع علمی دنیا سے فقط "مکی دورِ نبوی ﷺ کے تہذیبی اثرات کا تجزیاتی مطالعہ" کیا گیا ہے۔

اس حوالے سے یہ اپنی نوعیت کا منفرد تحقیقی کام ہوگا۔اس ضرورت نے محققین کے حوصلے کو اور بھی بڑھادیا کہ مقتضائے حال کے ساتھ ساتھ اس پر پہلے سے کوئی تحقیقی مقالہ نہیں لکھا گیا ہے۔

مکی دور کی تہذیب

مکی دور کی تہذیبی عوامل میں ان کی پوری زندگی منحصر ہے۔جغرافیائی لحاظ سے مکہ مرکزی حیثیت کی حامل تھی۔قبائلی طرز کی اجتماعی زندگی ان کی خاص وصف تھی۔مذہبی لحاظ سے بھی یہ خطہ بابرکت رہی۔تجارتی قافلوں کی گزرگاہ بھی تھی اور میلوں،بازاروں کی بھی سرزمین رہی۔ان سب سے ہٹ کر عربوں کا مزاج قدرتی،جغرافیائی اور مذہبی تبدیلیوں کو قبول کرنے والے تھے۔عربوں نے اپنی سرزمین میں ہر ملک اور قوم کے ساتھ آمدورفت کا سلسلہ رکھا۔ڈاکٹر خورشد رضوی نے اس کا نقشہ کچھ اس طرح کھینچا ہے:

"روم اور اسکندریہ دونوں یونانی ثقافتوں کے وارث تھے۔لہذا یونانیت کا پرتو بھی بالواسطہ ان لوگوں کی معاشرت میں موجود تھا۔یہ لوگ کاشتکاری کے علاوہ بعض صنعتوں،مثلاً اسلحہ سازی،آہنگری اور زرگری میں بھی ماہر تھے"۔جس طرح تہذیبیں ایک دوسرے پر اثرانداز ہوتی ہیں،اسی طرح فنونِ لطیفہ کی زندگی اور دوام اسی سے ملتی ہیں کہ یہ اثرانگیز ہو۔حجاز خاص کر حجاز جو اپنی سرسبز و شادابی اور تجارتی مرکز ہونے کی وجہ سے باقی ممالک سے بھی تعلقات قایم کیے ہوئے تھے۔یہ تعلقات سیاسی نوعیت کے بھی تھے اور ثقافتی نوعیت کے بھی ہوتے تھے۔طلوعِ اسلام سے کئی صدیاں قبل کچھ یہودی اسکندریہ اور روم سے آکر حجاز میں آباد ہوئے تھے۔اسنکندریہ اور روم کی اپنی اپنی تہذیبی و ثقافتی روایات کے علاوہ یہ دونوں یونان کے تہذیبی وراثت میں شامل تھیں۔گویا مثلث تہذیبی اثرات نے حجاز آکر تہذیبی و ثقافتی اثرات مرتب کردیے[1]۔

مولاناسید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے حجاز کے عمومی خطے کے بارے میں لکھاہے کہ اسی طرح بابل کے بادشاہ نبوبندوس(Nabonidus) نے گرمائی دارالسلطنت شمالی حجاز کے مقام تیما کو بنایا تھا۔تدمر کی شامی ریاست اور حیرہ،غسان کی حجازی ریاستیں،عراق سے لے کر مصر تک قائم رہی۔اسی طرح حجاز اور نجد کے حدود سے الجزیرہ اور شام کے حدود تک ساتھ ساتھ رہی۔نسلی رشتوں کا بھی جوڑ تھا۔حجاز کے انصار اور شام کے غسانی فرمانروا ایک ہی نسل سے تھے۔انسانوں کے شروع دور میں قومیں اور آبادیاں الگ اور دور دراز علاقوں میں ہوا کرتی تھی۔فاتحین نے،تجار نے اور رشتوں کی مدد سے قوموں کا آپس میں میل ملاپ ہوا۔علوم و فنون کا تبادلہ ہوتا رہا۔سیاسی اور معاشرتی زندگی نے انسانوں کو باہم ملا کر سوچ بچار اور مزید ترقی کے راستے ہموار کردیئے۔ایسے میں حجاز کی بستی

1۔ رضوی،خورشید،عربی ادب قبل از اسلام، لاہور، ادارہ اسلامیات 190،انارکلی،جون2010،ص44،43

بھی غلاموں، لونڈیوں اور علوم وفنون کا مرکز بھی رہا۔ان غلاموں میں فنون وہنر کے ماہر لوگ بھی ہوا کرتے تھے۔ حجاز میں ان کی بڑی تعداد موجود رہی اور ان کے آقا ان سے اچھی خاصی خدمات لیتے تھے[2]۔

مکی دور کا تہذیبی دائرہ بڑا وسیع رہا۔مکہ اہم رسم ورواج میں اس کا بڑا اثر رہا۔ذیل کے سطور میں تہذیبی مظاہر کا مطالعہ کیا جائے گا۔

مکی معاشرے کے اہم رسم ورواج:

سب سے پہلے انسان نے اپنی تہذیب وثقافت کے لیے معتدل جگہ پر معاشرتی زندگی اختیار کی۔قدرتی آفات سے بچاؤ اور انسانی فطرت کے لیے معاشرے کی بنیاد ضروری تھی۔معاشرہ انسانی اعمال اور رویوں کے تسلسل کے طویل سلسلے کا نام ہے۔معاشرے میں انسان کی حیثیت ایک ذمہ دار شخصیت کی ہوتی ہے۔انسان معاشرتی زندگی کے رسم ورواج، سماجی اقدار، اخلاقی ضابطوں اور قوانین سے بندھا ہوا ہے۔نظریاتی تنوع، جغرافیائی تبدیلی اور حالات کے تغیر کی وجہ سے زمان ومکان میں مختلف معاشرتی زندگی کو تشکیل دیتا۔

مکی معاشرے میں جس طرح مذاہب کی کثرت رہی، اسی طرح رسم ورواج کے حوالے سے بھی کثیر الرسوم رہا۔مذہبی معاشرے کے رسم ورواج ایک نظریے کے تحت ہوتے ہیں۔عموماً رسوم کے ابتدائی اسباب میں مذہب، معاشرتی رویے اور لوگوں کا کسی کام کو بار بار کرنا شامل ہے۔اس کے علاوہ مختلف ممالک میں پائی جانے والی عادات کو اپنے ہاں پروان چڑھانا شامل ہوتا ہے۔

مکی معاشرے میں رسوم ورواج کی تاریخ اس وقت سے ہے جب سے مکہ میں پہلا انسان آباد ہوا۔انسان ہمیشہ سے مذہب اور معاشرے سے جڑا ہوا ہے۔مذہبی اور معاشرتی رویوں کی وجہ سے اپنی زندگیوں میں خوشی اور غمی کے لمحات گزارتا ہے۔خطۂ مکی اپنے تمام تر عقائد، علوم وفنون، قانون، روایات، اخلاقیات کے نچوڑ میں نمایاں رسم ورواج کا معاشرہ تھا۔ان کے ہاں بچوں کی پیدائش، نکاح اور وفات کے مواقع پر رسوم کا بھرپور اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

ولادت کی رسوم

ان رسوم میں سے ولادت کی رسم کو نمایاں حیثیت حاصل رہی ہے۔مکہ میں انسانی زندگی کی پیدائش کے آغاز پر اہل خانہ کی خوشی نہ صرف دیدنی ہوتی ہے بلکہ اسی خوشی میں دوسروں کو بھی شریک کیا جاتا ہے۔خوشی کے اس موقع پر تمام لوگ رسم ورواج کے پابند ہوتے ہیں۔خطۂ مکہ میں بچے کی پیدائش پر خوشی دوبالا ہو جاتی کہ یہ ان کی نسل بڑھانے اور جوانوں میں اضافے کا سبب بنتی ہے۔عرب میں جوانوں کی تعداد پر فخر کیا جاتا تھا اور دوسرے قبیلے والوں پر اپنا رعب بھی جماتے تھے۔

بچے کی پیدائش پر کسی بزرگ کی چبائی ہوئی کھجور کا فالودہ یا پھر شہد کو بچے کے منہ میں ڈال دیتے تھے[3]۔مکی معاشرے میں عقیقے کی رسم کا بھی اہتمام ہوتا تھا۔بقول ڈاکٹر محمد یٰسین مظہر صدیقی عقیقہ میں سات قسم کی رسمیں انجام دی جاتی تھیں:

"نومولود کے بال مونڈے جاتے تھے، ان کے برابر صدقہ ادا کیا جاتا تھا، نام رکھا جاتا تھا، ایک یا دو بکری/بکرے کی قربانی کی جاتی تھی، اس کا گوشت تقسیم کیا جاتا تھا، عزیز واقارب اور احباب واہلِ محلّہ کی دعوت کی جاتی تھی اور خوشیاں منائی جاتی تھیں جن میں تحفے تحائف کا تبادلہ، مبارک باد کا غلغلہ، لباس اور نئے کپڑوں کا اہتمام اور گیت اور گانے کا التزام وغیرہ شامل تھا[4]"۔

2۔ مودودی، ابوالاعلیٰ، سید، سیرت سرور عالم ﷺ، 1999، جلد 1، ادارہ ترجمان القرآن، اردو بازار لاہور، ص 714

3 ۔ابن حجر، فتح الباری، قوله تسمیة المولودغداةیولدلمن لم، الجز 9، صفحه 588

4۔ صدیقی، مظہر، یٰسین، محمد، ڈاکٹر، مکی عہد نبوی میں اسلامی احکام کا ارتقا، ۔نشریات اردو بازار، لاہور 2008، ص 315

کعبہ کے قریب لوگ اپنے نومولودوں کو کعبے کی زیارت بھی کرواتے تھے۔کعبے کی زیارت کو نومولود اور خاندان کے لیے نیک شگون اور نیک بختی تصور کرتے تھے۔ صفیہ بنت عبدالمطلب نامی عورت حضرت خدیجہ کی اولادوں کی دایہ رہی جو لڑکے کی ولادت پر دو بکری جب کہ لڑکی کی ولادت پر ایک بکری کا عقیقہ کرتی تھیں۔

ان رسوم کے علاوہ بچے کی اچھی نگہداشت اور زبان دانی کے لیے یہ بھی ضروری تھا کہ رضاعی ماں اور اچھے ماحول کا انتخاب کیا جائے۔ سیرت وتاریخ کے علاوہ قرآن میں بھی گزرے ہوئے لوگوں کی اس رسم کا پتا چل جاتا ہے۔

اُس لڑکی نے اُن سے کہا: میں تمھیں ایسے گھر کا پتا بتاؤں جس کے لوگ اس کی پرورش کا ذمہ لیں اور خیر خواہی کے ساتھ اسے رکھیں؟ [5]۔

نکاح

رضاعت، عقیقہ اور پیدایش کے رسومات کی ادائیگی کے بعد نکاح کے مراحل اور رسوم بھی مکی معاشرے کا اہم حصہ سمجھے جاتے تھے۔ نکاح کے بغیر زندگی گزارنا ان کے ہاں معیوب سمجھا جاتا تھا۔بلکہ حدیث ، سیرت اور تاریخ کی کتابوں میں ہجڑے (خواجہ سرا) کے علاوہ غیر شادی شدہ لوگوں کا کوئی تذکرہ نہیں ملتا۔ نکاح کی تقریب مکی معاشرے میں خوشی کا بڑا ذریعہ ہوا کرتی تھی۔طلاق کا رواج بھی عام تھا اور طلاق ہی سے ان کے ذوق اور نکاح کے باقاعدہ اصولوں کا پتا چل جاتا ہے۔

مکی معاشرے میں نکاح کا تصور بہت پرانا چلا آرہا تھا۔انسانوں کی نسل اسی تسلسل کا نتیجہ ہے۔ حضرت آدمؑ سے حضرت ابراہیمؑ تک نکاحوں کی ایک تاریخ محفوظ ہے۔إن الله أخرجني من النكاح و لم يخرجني من السفاح[6]۔اللہ تعالیٰ نے مجھے نکاحوں کی بدولت اس دنیامیں اتارا ہے ۔ نبی کریم ﷺ کے اس ارشاد میں نکاحوں کے تسلسل کا اندازہ ہو جاتا ہے حضرت آدمؑ سے لے کر حضرت عبداللہ تک نکاحوں کا تسلسل رہا ہے۔مکہ کے اندر قریش قبیلے کے جدامجد قصی بن کلاب اور اس کے بعد تمام قریشیوں میں نکاح کا رواج چل پڑا۔ طبری، بلاذری، طبقاتِ ابن سعد، ابن ہشام، ابن کثیر اور ابن سید الناس نے مکی نکاحوں کا ذکر کیا ہے۔ایک فرد بیک وقت کئی شادیاں کرتا تھا۔شادیوں ہی سے دوسرے قبیلوں سے تعلقات بنتے تھے۔

عرب میں اور پھر خاص کر مکہ میں نکاح سے پہلے جانبین کی رضامندی باقاعدہ طور پر ہوتی تھی اور اسی اہتمام سے پیغامِ نکاح بھیجتے تھے۔ پیغامِ نکاح دونوں طرف سے ہوتی تھی۔ایجاب و قبول، بارات، خطبۂ نکاح، بارات کی دعوت، دعوتِ ولیمہ اور مہر کا باقاعدہ رواج تھا۔

شب زفاف سسرال میں منانے کی رسم بھی ان میں موجود تھی۔ ڈاکٹر یٰسین مظہر صدیقی صاحب نے اپنی سیرت کی اکثر کتابوں میں امام حلبی، تاریخ طبری، ابن سعد، شبلی نعمانی، المنمق اور دیگر مختلف حوالوں سے شب زفاف کے واقعات ذکر کیے ہیں[7]۔احمد بن عبدالرزاق الدویش نے اس پر پورا ایک باب باندھا ہے[8]۔ یہ تمام رسوم ایسی تھیں کہ ان کی خلاف ورزی نہیں کی جاسکتی تھی۔شاہ ولی اللہ محدث دہلوی حجۃ اللہ البالغہ میں لکھتے ہیں :

وكانت لهم سنن متأكدة يتلاومون على تركها في مأكلهم ومشربهم ولباسهم وولائمهم

---

5 ۔القرآن28:12

6۔ صحیح الجامع الصغیر، جلد1، ص350، (د.ت)

7 ۔ صدیقی، مظہر ، یٰسین ، ڈاکٹر۔عہد نبوی میں تمدن، دارالنوادر، اردو بازار لاہور۔، 2011، ص 749،750 و مکی عہد نبوی میں اسلامی احکام کا ارتقا، نشریات، اردو بازار لاہور، سنِ اشاعت2008، ص284،283

8۔الدویش، احمد بن عبدالرزاق، (جمع وترتیب)، فتاوی اللجنۃ الدائمۃ ، المجموعۃ الاولیٰ 19 ص۔125 ، (د.ت)

وأعيادهم ودفن موتاهم ونكاحهم وطلاقهم وعدتهم وإحدادهم ،وبيوعهم ومعاملاتهم .(9)

ان رسوم کی ادائیگی لازمی طور پر کی جاتی تھی، عرب لوگ بالخصوص مکہ کے باشندے پہلے سے رسوم کی پابندی کرتے تھے۔خلاف ورزی یا ان کی عدم ادائیگی پر ملامت بھی کرتے تھے۔ان کے کھانے پینے ،لباس،رشتہ داری،مریض کی عیادت،مردوں کا کفن دفن، نکاح وطلاق،عدت،سوگ،دعوتِ ولیمہ،عید دیگر لین دین اور معاملات کی باقاعدہ منظم رسمیں تھیں۔

چونکہ مکہ پر ایک ایسا وقت بھی گزر چکا ہے جس میں نکاح کرنے اور کرانے کا رواج جاہلیت کے زمرے میں آتا ہے۔نکاح کی مختلف اقسام ان کے رسم ورواج کو نمایاں کردیتی ہیں۔باوجود اس کے کہ ان میں بہت ساری اقسام کو ناپسند کیا جاتا تھا، لیکن اس کے باوجود بھی رائج رہیں۔ذیل میں نکاح کی چند اقسام کو بیان کیا جاتا ہے۔

نکاح میں پہلی قسم کا وہ نکاح تھا جسے نکاح شرعی کہا جاتا ہے۔اس نکاح میں پہلے پیغام پہنچایا جاتا تھا۔پیغام کے مثبت جواب ملنے پر خطبہ نکاح ہوتا تھا۔مہر کی ادائیگی ہوتی تھی۔یہ تمام مراحل لڑکی کا والد یا اس کا ولی سرانجام دیتا تھا۔

نکاح الاستبضاع،اس نکاح میں عورت کسی بھی مرد کو بلا لیتی اور اس سے اپنا حمل ٹھہراتی۔نکاح الرہط میں بہت سارے لوگ یا پورے قبیلے کے لوگ اجتماعی طور پر کسی عورت سے مل لیتے۔اولاد کی پیدائش میں مشابہت پر فیصلہ کیا جاتا اور بچہ اسی کا شمار ہوجاتا۔ الرہط لفظ تین سے زیادہ اور دس سے کم کے لیے بولا جاتا ہے۔زیادہ تعداد کی وجہ سے اس نکاح کو یہ نام دیا گیا۔نکاح البغاء، گھروں پر جھنڈا لگایا جاتا اور جس نے اندر داخل ہونا ہوتا تو داخل ہوجاتا۔یہ دور جاہلیت کی ایک قسم کا نکاح تھا۔اس نکاح میں نہ خطبہ نکاح ہوتا تھا نہ ایجاب وقبول،نہ مہر اور نہ دونوں خاندانوں کی رضامندی شامل ہوتی تھی۔بیک وقت کئی لوگ گھروں میں داخل ہوجاتے تھے۔ اس بارے میں وہ مشہور واقعہ ہے۔عمرو کی ماں کے بارے میں آتا ہے کہ اس کے ساتھ چار آدمیوں العاص،ابولھب،امیۃ بن خلف اور ابو سفیان نے زنا کیا تھا۔عمرو کی پیدائش پر ان چاروں میں سے العاص کو عمرو دیا گیا۔اس نکاح کو نکاح السفاح بھی کہتے ہیں۔نکاح المقت، یہ وہ نکاح ہے جس میں بیٹا اپنے والد کی وفات کے بعد اسی کی بیوی (اپنی ماں) کے ساتھ نکاح کرلیتا۔دو بہنوں کو بیک وقت نکاح میں رکھنا بھی عرب میں رائج تھا۔نکاح المتعۃ،میں باہمی رضامندی سے پیسوں کے عوض وقتِ معین تک نکاح کیا جاتا ۔وقت گزرنے کے بعد ان میں جدائی ہوجاتی۔اس نکاح سے نہ میراث منتقل ہوتی تھی اور نہ ہی طلاق کی ضرورت ہوتی تھی۔نکاح الخدن،خدن کا مطلب چوری چھپے تعلقات رکھنا۔عرب میں دوستی کا نکاح بھی رائج رہا۔عرب کا مشہور قول ہے کہ چھپے میں کوئی قباحت نہیں اور اگر کسی کو پتا چلا تو بڑی ضلالت ہوگی۔اس نکاح میں بھی بغیر میاں بیوی بنے تعلق نبھایا جاتا تھا۔اس میں صرف خوف کا ڈر ہوتا تھا کہ کہیں کسی کو پتا نہ چلے۔اور اگر کسی کو پتا چل جاتا تو بڑی ملامت ہوتی۔نکاح البدل،اس نکاح میں بیویوں کا استعمال بدلے میں ہوتا تھا۔نکاح الشغار،اس نکاح میں بیٹیوں یا بہنوں کو بدلے کے نکاح میں دیا جاتا تھا اور اس میں کوئی مہر نہیں ہوتا تھا۔نکاح الإرث،اس میں مرد اپنی کسی قریبی رشتہ دار سے میراث پانے کی امید پر نکاح کرلیتا تھا۔موت تک اسی عورت کو اپنی نکاح میں رکھتا تھا یا پھر عورت اپنا مہر دے کر الگ ہوجاتی تھی(10)۔

طلاق:

9۔الدھلوي،شاہ ولی اللہ بن عبد الرحیم،حجۃ اللہ البالغۃ،جلد 1،ادارإحیاء العلوم۔بیروت لبنان،ص283

10۔121 أبو بكر محمد عبد الله،المسالِك في شرح مُوَطَّأ مالك معاني الأمر بالمعروف في القران الكريم، جلد1،الناشر،دَار الغَرب الإسلامي الطبعة الأولى، 2007، ص50

عرب معاشرے میں طلاق، ایلا اور ظہار کی رسم سے مرد اپنی بیوی سے علحیدگی اختیار کرتا تھا۔ ظہار اس وقت واقع ہو جاتا جب ایک مرد اپنی بیوی سے یہ کہہ دے کہ تم میری ماں جیسی ہو۔ اس سے بھی طلاق واقع ہو جاتی۔ عہد جاہلیت میں ماں کا لفظ بول کر بیوی کو اپنے لیے حرام کر دیا جاتا تھا۔ ظہار کا معنٰی پیٹھ ہے اور یہ لفظ لذت حاصل کرنے کے لیے بولا جاتا تھا۔ لیکن جب کوئی اپنی بیوی کو یہ کہہ دیتا کہ تم میرے لیے میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہو تو اس سے طلاق واقع ہو جاتی۔ یا پھر یہ معنٰی لیا جاتا کہ جس طرح میری ماں میرے لیے محترم ہے اسی طرح تم بھی میرے لیے محترم ہو۔ مکی معاشرے میں ایلا کی رسم بھی رہی۔ ایلا میں مرد قسم کھاتا تھا کہ میں بیوی کے قریب نہیں جاؤں گا۔ اگر چار مہینے تک بیوی کے پاس نہ گیا تو طلاق واقع ہو جائے گی۔

مکی معاشرے میں طلاق کا رجحان بہت پہلے سے چلا آ رہا ہے۔ معاشرے کی ہمواری میں طلاق کا کافی عمل دخل ہوتا ہے۔ طلاق سے مرد کی ذمہ داری کا احساس ابھرتا ہے اور خلع سے عورت کے حقوق کی طاقت کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ طلاق سے یہ اندازہ بھی لگایا جاتا ہے کہ جب میاں بیوی میں انسانی تعلقات آخری حدوں کو پہنچیں تو باہمی رضامندی سے طلاق کا ایک ایسا راستہ اختیار کیا جاتا کہ جس کے بعد بھی انسانی جذبات کی حیثیت باقی رہے اور انسانی حقوق کسی اور کے پاس ادا کی جا سکیں۔ طلاق و خلع مکی لوگوں میں مذہبی رسم کے طور پر مانا جاتا اور معاشرے کی راویت بنتی گئی۔

ضباعہ بنت عامر پہلے شوہر کے انتقال کے بعد عبداللہ بن جدعان کے نکاح میں چلی گئی۔ ان سے کوئی اولاد نہ ہونے کی صورت میں ضباعہ نے طلاق کا مطالبہ کیا اور عبد اللہ نے اسے طلاق دے دی۔ اس سے طلاق لینے کے بعد ہشام بن مغیرہ مخزومی سے نکاح کر لیا[11]۔ ضباعہ کے ان نکاحوں اور طلاقوں میں باہمی رضامندی شامل رہی۔ نکاح اور طلاق میں جب باہمی رضامندی شامل ہو تو اس سے معاشرے کے اچھے پہلو سامنے آ جاتے ہیں اور مہذب معاشرے کی علامت ہوتی ہے۔ طلاق کے علاوہ ایلاء اور ظہار کی رسم بھی مکہ میں چلتی رہی۔

فوتگی کے رسم ورواج:

دنیا میں پہلی فوتگی ہابیل کی تھی اور یہ ایک ایسا حادثہ تھا کہ ہابیل کو مارنے والے کو بھی اس کے بعد والے مراحل کا کچھ پتا نہ تھا کہ لاش کے ساتھ اب کیا کیا جائے۔ اس ضمن میں یہ بات قابل ذکر ہے کہ ایک طرف قابیل نے کفن و دفن کے طریقے سیکھے تو دوسری طرف بھائی کی موت پر افسوس وندامت کا اظہار بھی کیا۔

عموماً مردے پر غم وافسوس کا اظہار کیا جاتا ہے۔ یہ غم وافسوس کبھی سالوں تک جاری رہتا ہے تو کبھی دنوں تک جاری رہتا ہے۔ مکہ میں سالوں اور دنوں، دونوں طرح کی روایات پائی جاتی ہیں۔ مکہ میں موت کے حادثے اور کفن ودفن کی تمام روایات کی بنیاد دینِ ابراہیمی سے چلی آ رہی تھی۔ عبدالمطلب جو کہ اپنی شخصیت کے لحاظ سے مکے کے علاوہ دیگر اقوام اور خطوں میں بھی معروف تھے۔ ان کی وفات پر نہ صرف غم وافسوس کا اظہار کیا گیا بلکہ مرثیے تک کہے گئے اور مکے کا بازار کئی دنوں تک بند رہا۔ اسی کے بارے میں کہا گیا ہے کہ:

"وتوفي عبد المطلب ولرسول الله ثماني سنين ولعبد المطلب مائة وعشرون سنة، وقيل مائة وأربعون سنة. وأعظمت قريش موته، وغسل بالماء والسدر. وكانت قريش أول من غسل الموتى بالسدر، ولف في حلتين من حلل

---

11 ۔ جمال الدين أبو الفرج عبد الرحمن بن علي، أخبار النساء، باب ما جاء في غدر النساء، جلد 1، الناشر، دار مكتبة الحياة، بيروت - لبنان، عام النشر: 1982، ص148

اليمن قيمتها ألف مثقال ذهب، وطرح عليه المسك حتى ستره، وحمل على أيدي الرجال عدة أيام إعظاماً وإكراماً وإكباراً لتغييبه في التراب .[12]"

عبدالمطلب کی موت قریش کے لیے بڑا حادثہ تھا۔قریش نے پہلی دفعہ اپنے سردار کو بیری کے پتوں سے نہلایا۔پھر یمن کے حلوں میں سے دو حلوں کا کفن پہنایا گیا،جس کی قیمت ایک ہزار مثقال سونا تھی۔لاش کے اوپر مشک اتنی مقدار میں ڈال دی کہ پوری لاش ڈھانپی گئی۔لوگوں نے کئی دن تک اعزاز واکرام کے لیےلاش کو اپنے ہاتھوں پر اٹھائے رکھا۔پھراسی اکرام واعزاز سے دفنایا گیا۔

مکی معاشرے کے اہم رسم رواج سے ہٹ کر بھی ان کی انفرادی زندگی میں اجتماعی زندگی کی روح تازہ تھی۔اجتماعی امور میں ان کی انفرادی زندگی کے آثار نظر آرہے تھے۔تمدنی لحاظ سے تہذیب وثقافت سے ہم آہنگ اتنے تھے کہ فنونِ لطیفہ تک کے وہ خوگر تھے۔فنونِ لطیفہ نے ان کی عام زندگی کو بھی جوش وولولے سے بھر دیا تھا۔

جنگ وجدل:

جنگ وجدل عربوں کا فن تصور کیا جاتا ہےاور یہ ان کی سرشت میں شامل تھا۔لڑائی کے بغیر ان کی زندگی ادھوری تصور کی جاتی تھیں۔باپ دادا کے دور کی لڑائیاں ان کو ازبر یاد تھیں۔ہلاک شدہ لوگوں کی نہ صرف تعداد بلکہ ناموں اور قبیلوں تک یاد رکھتے تھے۔زخمی لوگوں کا بھی پورا سلسلہ یاد رکھتے تھے۔اپنے اشعار میں جب مفتوح قوم اور قبیلوں کی ہجو کی جاتی تھی توان ہلاک شدہ لوگوں اورزخمی لوگوں کے براہِ رست نام لیتے تھے۔بھاگنے والوں کا بھی ذکر کرتے تھے۔ان کے قصوں اور اشعار میں شکست کھانے والوں کی مذمت ہوتی تھی۔عرب جنگی آلات،جنگوں کی صف بندی،میدانِ جنگ کے اندر داؤ پیچ اور دیگر متعلقاتِ جنگ کے ماہر تھے۔

وَلَدْنٌ مِنَ الخَطِّيّ فِيهِ أسِنّة   ذَخائِرُ مِمّا سَنّ أبْزَى وَشرْعَبُ،[13]

خوشنما نیزہ جن میں پھول لگا ہوا تھا،میدانِ جنگ میں جب دشمن سے مڈبھیر ہو جائے۔تواے محبوب: تجھے پھولدار نیزے کے علاوہ بھی کوئی نیزہ پسند آجائے گا؟

جنگجو ہونے کی وجہ سے گھوڑوں کے بھی ماہر تھے۔گھوڑوں کی اصل نسل سے بھی واقفیت رکھتے تھے۔ان کی صحت اور بیماری کی علامات جانتے تھے۔گھوڑوں کی حسن قبح کو اچھی طرح جانتے تھے۔اپنے گھوڑوں کی صفات گنواتے۔اوران پر فخر کرتے تھے۔اسی ضمن میں عنترہ کہتا ہے:

تمسي وتصبحُ فوق ظهر حشية   وأبيتُ فوق سرَاةِ أدْهم مُلْجَم[14]

محبوبہ گھر پر بیٹھی اپنی گدی پر صبح وشام گزارتی ہے جبکہ میں سیاہ لگام ڈالے گھوڑوں کی پیٹھ پر بیٹھاراتوں کو صبح کر دیتا ہوں۔

گھوڑوں کی اچھے انداز میں تربیت کرتے تھے۔اسی طرح دیگر آلاتِ جنگ کے بھی ماہر تھےاورآلاتِ جنگ کے لیے تجارتی وفود کا آنا جانا بھی ہوتا تھا۔جنگو ہونے کی وجہ سے ہر قبیلہ دوسرے قبیلے کے ساتھ رشتے بھی اسی بنیاد پر کرتا تھا۔ایک دوسرے کو پناہ بھی اسی غرض کے لیے دیتے تھے کہ جنگ کے دنوں میں ایک دوسرے سے تعاون کیا جائے۔دوستوں کے انتخاب میں بھی اسی نقطے کو پیشِ نظر رکھتے تھے۔

ثلاثةُ أصحابٍ فؤادٌ مشيعٌ   وأبيضُ إصليتٌ وصفراءُ عيطلُ[15].

---

12 ـ اليعقوبي، أحمد بن أبي يعقوب،تاريخ اليعقوبي، الباب،الفجار،الجز 1،ص 109(د.ت)

13 ـ میمون بن قیس بن جندل،دیوان الاعشی،جلد12،ص2(د۔ت)(د۔ط)

14 ـ عنترة بن شداد ،ديوان عنترة بن شداد،(د۔ت)(د۔ط)

15 ـ أبو علي إسماعيل بن القاسم،الأمالي في لغة العرب،جلد3، الناشر : دار الكتب العلمية، مكان النشر : بيروت سنة النشر : 1978م،ص209

مجھے یہ تین خصلتوں والے ساتھی کافی ہیں۔آگے بڑھنے والا ایسا دوست، جس کا دل مضبوط ہو۔چمکدار اور تیز تلوار ساتھ ہو اور لمبی کمان اس کے پاس ہو۔

نبی کریم ﷺ نے بھی اپنے رزق وکمائی کو تلوار سے منسوب کیا ہے، جو عربوں کی صفت کو ظاہر کرتی ہے۔

"جُعِلَ رِزْقِي تَحْتَ ظِلِّ رُمْحِي وَجُعِلَ الذِّلَّةُ وَالصَّغَارُ عَلَى مَنْ خَالَفَ أَمْرِي"[16]

میرے نیزے کے سائے میں میرا رزق رکھا گیا ہے۔اور جو میرے حکم کی خلاف ورزی کرے گا اس پر ذلت مسلط کر دی گئی ہے۔

جنگ وجدل عربوں کی جس صفت کو ظاہر کرتی ہے، اس میں انھوں نے اپنے خاندان، قبیلے اور زمین کی حفاظت کے لیے جنگیں لڑی ہیں۔ایسا بھی ہوا ہے کہ اپنی بہادری اور دشمن سے بدلہ لینے کے لیے بھی لڑائی لڑی گئی۔فخر وابتسام کے لیے بھی جنگیں لڑی گئیں۔ایسے بھی واقعات ملتے ہیں کہ فقط اپنے آباواجداد کے تسلسل کو جاری رکھنے کے لیے جنگوں کو مدتوں تک جاری رکھا گیا۔

آباواجداد پرستی:

عربوں کی ایک خاص خصلت یہ بھی تھی کہ اپنے آباواجداد پر فخر وغرور کرتے تھے۔ان کے واقعات کو نسل در نسل یاد رکھتے تھے۔جب دو اشخاص یا قبیلے والوں کا اپنے آباواجداد کی شرافت کے بارے میں مقابلہ ہو جاتا تو کسی کو حکم مقرر کرتے اور اس کا فیصلہ مانا جاتا تھا۔نسب، شرافت، بہادری، دولت، شہرت اور اعلیٰ مناصب پر فخر کرتے تھے۔عمرو بن کلثوم اپنے ایک شعر میں کہتا ہے کہ :

وَرِثنا المَجدَ، قد عَلِمتْ مَعَدٌّ، نُطاعِنُ دُونَهُ حتى يَبِينَا[17]

ہم نے عزت وشرافت معد کے خاندان کے بڑوں سے ورثے میں پائی ہے۔اس شرافت وبزرگی کو قائم رکھنے کے لیے پوری طاقت کو استعمال کریں گے۔

اباواجداد کے نقش قدم پر چلتے ہوئے وہ خود بھی وہی عزت وشرافت کا مقام پانا چاہتے تھے اور اسی کے لیے وہ اپنی جان جوکھوں میں ڈال دیتے تھے۔اپنے بزرگوں سے یہی نسبت قائم رکھنے کے لیے بہت پرجوش تھے۔اسی طرح اولادِ نرینہ کی پیدایش اور شاعری کا کمال حاصل کرنے پر بھی خوشی اور غرور کا مظاہرہ کرتے تھے۔اوس اور خزرج کی مفاخرت اس کڑی کی مشہور مثال ہے۔قبائل کے علاوہ افراد اور شاعروں کے درمیان بھی مفاخرت کے واقعات چلتے رہے۔قصہ گو لوگوں کو بھی یہ واقعات ازبر تھے اور رات کی محفلوں میں اس سے اپنی راتیں گزارتے رہے۔آباواجداد پرستی میں وہ اس راستے پر چلتے تھے جو راستہ ان کے بزرگوں نے ورثہ چھوڑا ہو۔آباوجداد کی پیروی میں وہ بہت محتاط تھے کیونکہ اسی سے ان کا نسل محفوظ ہوتی رہی۔شرافت اور سخاوت کی روایت کو اسی سے دوام ملا۔بہادری، جوش وجذبے کا تسلسل اسی سے چلتا رہا۔حلیف قبائل کے تفاخر کا بھی ذکر ملتا ہے۔زہیر بن ابی سلمیٰ کے اشعار ہیں:

وأبيضَ فيّاضٍ يَدَاهُ غَمامَةٌ على مُعْتَفيهِ ما تُغِبُّ نَوافِلُهْ

أخي ثقةٍ لا يُتْلِفُ الخمرُ مالَهُ ولكنه قد يُهْلِكُ المالَ نائِلُهْ

تراه إذا ما جِئْتَه مُتَهَلِّلاً كأنّك تُعْطِيه الذي أنتَ سائِلُهْ[18]

---

16 ۔الْبُخَارِيّ،مُحَمَّدِ بْنِ إِسْمَاعِيلَ.الجامع المسند الصحيح المختصر من أمور رسول الله صلى الله عليه وسلم وسننه وأيامه ،جلد1،ص1382

17 ۔ محمد بن محمدحسن،شرح الشواهد الشعرية في أمات الكتب النحوية «لأربعة آلاف شاهد شعري»،جلد3،الناشر: مؤسسة الرسالة، بيروت - لبنان،الطبعة: الأولى، 2007 م،ص274

18 ۔ محمد بن محمد حسن،شرح الشواهد الشعرية في أمات الكتب النحوية «لأربعة آلاف شاهد شعري»،جلد2،الناشر: مؤسسة الرسالة، بيروت - لبنان،الطبعة: الأولى، - 2007 م،ص278

میرا ممدوح پاک باز اور سخی دل انسان ہے۔ جو لوگ اس کے پاس مانگنے آتے ہیں تو عطا کا چشمہ بہہ رہا ہوتا ہے۔ اسی ممدوح پر بھروسہ کیا جا سکتا ہے۔ شراب پانی کی طرح بہادے تو پھر بھی مال ختم نہیں ہوتا بلکہ کثرتِ سخاوت اس کے مال کو ختم کر سکے گا۔ جب کوئی سائل مانگنے کی غرض سے جائے تو اس کی خوشی اتنی دیدنی ہوتی ہے گویا تم اسے کوئی چیز بخش رہے ہو۔

زہیر نے چند اشعار میں اپنے ممدوح کی صفت بیان کی۔ اس میں عربوں کے مزاج کے مطابق شرافت و پاکیزگی، سخاوت اور دوستی فخر کیا گیا ہے۔ یہ عربوں کا عام مزاج تھا۔ ہجو کرنے میں بھی کمال رکھتے تھے۔ قریط بن انیف نے اپنی ہی قوم کو بزدلی کا عار دلاتے ہوئے کہا:

كأنَّ ربَّكَ لَمْ يَخْلُقْ لِخَشْيَتِه   سِواهُمُ مِنْ جَميعِ النّاسِ إنْسانا[19]

میری قوم اتنی بزدل ہے کہ گویا اللہ نے اپنے خوف کے لیے صرف ان کو پیدا کیا ہے۔ اور تمام لوگوں کے خوف کا مادہ ان میں رکھا ہو۔

جس طرح آبا واجدا کے فخر کے کارنامے بیان کیے جاتے تھے اسی طرح ان کی کمزوری کو بھی عرب نے خوب بیان کیا ہے اور اپنی آیندہ نسل کو غیرت کا درس دیا۔ دوسروں کے حسب و نسب پر بھی طنز کرتے اور ان کی تہذیب کا مذاق اڑاتے تھے۔ اور اپنی تہذیب وعادت واطوار کو آباپرستی سے سنوارتے تھے۔

دورہ نبوی ﷺ

تہذیبی لحاظ سے دورہ نبوی ﷺ کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ یہاں بیک وقت تین تہذیبیں موجود تھی۔ دور نبوی ﷺ کا وہ دور جو روایتی طور پر لوگوں میں موجود تھی اور اپنے اباواجداد کی روایت پر عمل پیرا تھے۔ اس کے تہذیبی مظاہر عام تھے۔ یہ معاشرہ مختلف المزاج اور مختلف العقیدہ لوگوں کا معاشرہ تھا۔ اس دور کے معاشرے میں پرانے تصورات اور جدید رجحانات کے رویوں کا اندازہ اس سے لگایا جاتا ہے کہ وہاں پرانے مذاہب کے پیروکار موجود رہے ہیں۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ خرافات کی بھی رونمائی ہوتی رہی اور پرانی روایات میں بھی کچھ فرسودہ تھیں۔ دوسری تہذیبیں ہمسایہ اور تجارتی ممالک کی تھی، جن کے اثرات اور مظاہر دور نبوی ﷺ میں اثرانداز رہی۔ تیسرا وہ تہذیبی رویہ جس کو نبی کریم ﷺ رواج دے رہے تھے۔ عرب لوگوں کی فطرت تھی کہ وہ بآسانی کسی نئی چیز کو قبول نہ کرتے، شروع میں وحی اور محمد ﷺ کی شدید ترین مخالفت کی لیکن جب انہوں نے قبول کیا تو انہوں نے اسے دل وجان سے قبول کیا۔ تہذیبی مظاہر میں وہ ایک دوسرے سے مقابلتاً آگے بڑھتے تھے[20]۔

معاشرے میں ایک نئی سوچ کو پروان چڑھا کر مدتوں کی تہذیبی روایت کی رسم کو توڑ دی۔ حجاز معاشرہ جو خون کے پیاست تھے۔ نسل پرستی کے خوگر تھے۔ رنگ، ذات اور زبان کے پجاری تھے۔ جاہلی امتیازات کو یکسر ختم کر کے لوگوں میں حوصلے کی بھی قوت پیدا کر دی۔ معاشرے میں اجتماعیت کا احساس پیدا کر کے حجاز سرزمین کو ایک نئی قوت عطا کر دی۔ تقویٰ کے تصور کو عام کر کے ایک نئی جہت کی امتیازی خوبی کو اجاگر کر دیا۔ ذاتی شعور جس میں بلاب حبشی غلام تھا اور سلمان رومی راستے کا بھٹکا ہوا تھا، کو جن ایل ملی اور اجتماعی شعور ملا تو سارے ایک ہی معاشرے کے یک جان دو قلب باشندے بن گئے اور ذاتی اور تفخر کی احساس کو مات مل گئی۔ مظلوم اور عورتوں کے طبقے کو احساسِ برتری مل گئی۔ سیرت نگار سید ابوالاعلیٰ فرماتے ہیں:

---

19 ۔ السيوطي، جلال الدين ،شرح شواهد المغني، جلد1، الناشر: لجنة التراث العربي الطبعة: 1966، ص69

20- المنصوپوری، سليمان، محمد، رحمة للعالمين، ترجمه من الأردية إلى العربية: د. سمير عبد الحميد إبراهيم، الناشر: دار السلام للنشر والتوزيع - الرياض، الطبعة: الأولى، ص179

اس تنظیم وتالیف کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ یہ ایک باکل اصولی اور انسانی تنظیم تھی۔اس کے پیدا کرنے میں حضور ﷺ نے نہ تو قومی، نسلی، لسانی اور جعرافیائی تعصبات سے کوئی فائدہ اٹھایا، نہ قومی حوصلوں کی انگیجنت سے کوئی کام لیا، نہ دنیوی مفادات کا کوئی لالچ دلایا، نہ کسی دشمن کے ہوے سے لوگوں کو ڈرایا۔ دنیا میں جتنے بھی چھوٹ یا بڑے مدبر اور سیاست دان گزرے ہیں، انھوں نے ہمیشہ اپنے سیاسی منصوبوں کی تکمیل میں انہی محرکات سے کام لیا ہے۔ اگر حضور ﷺ بھی ان چیزوں سے فائدہ اٹھاتے تو یہ بات آپ ﷺ کی قوم کے مزاج کے بالکل مطابق ہوتی لیکن آپ ﷺ نے نہ صرف یہ کہ ان چیزوں سے کوئی فایدہ نہیں اٹھایا، بلکہ ان میں سے ہر چیز کو ایک فتنہ قرار دیا اور ہر شے کی خود اپنے ہاتھوں سے بیخ کنی فرمائی[21]۔

خلاصہ

انسان نے اپنے احساسات واقدار کو متحرک ومنتقل کرنے کے لیے سب سے پہلے وہ جگہیں آباد کی جہاں کی آب وہوا معتدل ہو۔ یوں انسان نے اپنی تہذیب وثقافت کے لیے معتدل جگہ پر معاشرتی شکل اختیار کیا۔ قدرتی آفات سے بچاؤ اور انسانی فطرت کے لیے معاشرے کی بنیاد ضروری تھی۔ معاشرہ انسانی اعمال اور رویوں کے تسلسل کے طویل سلسلے کا نام ہے۔ معاشرے میں انسان کی حیثیت ایک ذمہ دار شخص کی ہوتی ہے۔ کئی صدیاں پہلے مکہ ایک ایسی سر زمین تھی جس میں انسان اور انسانی احساسات وجذبات کو نہ صرف تحفظ ملتا بلکہ دوام وترقی کی منزلیں بھی طے کرتا رہا۔

خطہِ مکہ ہر دور اور ہر زمانے میں روحانی، دینی اور تجارتی مرکز رہا ہے۔ دورِ نبوی میں مکہ کے اندر حضرت محمد ﷺ کی حیثیت ساقی و قاسم کی رہی جو لوگوں کو دین ودنیا کی سیرابی سے مستفید کرتے رہیں۔ اس خطے کی ایک پہلو یہ بھی رہی ہے کہ نبوت سے پہلے جاہلیت کا دور رہا۔ جاہلی ثقافت نے انسانی زندگی کو تنگ وتاریک راہوں میں دھکیل دیا تھا۔ انسانی ذہن وافکار سے مذہب مٹ چکا تھا۔ ظلم وجبر اور روایتی فنونِ لطیفہ کی بنیادوں پر انسانی تباہی کی عمارت تعمیر ہو گئی تھی۔ حضرت محمد ﷺ کی آمد پر یہ خطہ یکسر تبدیل ہو گیا۔ انسانی افکار بدل گیے۔ تہذیب کو ایک نئی اور سیدھی رخ پر لا کھڑا کیا۔ یہیں سے اسلامی اور جاہلی تہذیبوں میں فرق نمایاں ہوتا گیا۔

مکہ مکرمہ تہذیبوں کا مرکز رہا۔ حضرت آدم اور حضرت ابراہیم کے تعلیمات سے لے کر حضرت عیسیٰ تک کی تعلیمات یہاں موجود رہیں۔ نبی کریم ﷺ نے حالات کے تقاضوں کے مطابق اور لوگوں کی خود ساختہ قوانین واصول میں ردوبدل کر کے انقلاب برپا کیا۔ اس تبدیلی سے صحیح تعلیمات اپنی جگہ پر قائم رہی البتہ خرافات و مصالحِ انسانیت کے خلاف مواد کو یکسر مٹادیا گیا۔ انہی ردوبدل، ترمیم واضافہ اور تہذیب وتحسین سے انسانی تہذیب وثقافت کو آراستہ کیا گیا۔

اسلامی تہذیب وثقافت کا یہ پہلو تحقیق کا متقاضی تھا اس لیے اس مقالے میں مکہ کے قبل از نبوت ثقافتی اور تہذیبی مظاہر کا تاریخی مطالعہ کیا گیا ہے، جس میں مکہ کے حالات اور مختلف علوم وفنون کے ساتھ ساتھ مکہ میں موجود مذاہب کی مختلف صورتوں کو موضوع بنایا گیا ہے۔ قبل از نبوت ثقافتی مظاہر کا بھی جائزہ لیا گیا ہے۔ ثقافتی مظاہر کے تناظر میں مکی دور نبوی پر تفصیلی بحث کیا گیا ہے۔ جس میں مکی دور نبوی کے رسوم اور رواج کا تجزیاتی مطالعہ کا تفصیلی تجزیہ کیا گیا ہے۔

21۔ماہنامہ عالمی ترجمان القرآن، دسمبر 2016، ص35